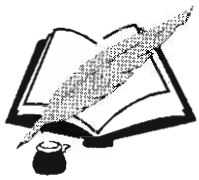

تفسیر تدبر القرآن کا اجمالی تعارف اور خصوصیات

حافظ محمد سجاد تترالوی

تفسیر کا نام "تدبر قرآن" ہے۔ قرآن مجید کی آیت "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ" سے اخذ کیا گیا ہے۔ مصنف کا نام امین احسن اصلاحی ہے۔ پہلی بار طبع ستمبر ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ مولانا اصلاحی نے اس پر کام ۱۹۵۸ء میں شروع کیا تھا اور ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا۔ یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ مولانا حمید الدین فراہی کے طریقہ تفسیر اور اصول تفسیر کو اپنایا گیا ہے۔ یہ عقلی انداز کی تفسیر ہے۔ نظم قرآن پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مکی و مدنی سورتوں کے سات گروپ دیئے گئے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی گئی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ

اور تحقیق ہم نے تمہیں (سورہ فاتحہ کی) بار بار دہرائی جانے والی سات (آیات) اور عظمت والا قرآن دیا۔ (۱)

ہر سورہ کا عمود اور مرکزی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ آیات کا ربط بیان کیا گیا ہے۔ لغت و زبان کی بحثیں پائی جاتی ہیں ادیبانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ شعری وسائل اور عقلی استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ حدیث کو بہت کم اہمیت دی گئی ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہے۔ تفسیر میں زیادہ تر بائبل سے مدد لی گئی ہے۔ تدبر قرآن کی فکری تیاریاں مولانا اصلاحی کے بقول ۱۹۲۵ء میں ہی شروع ہو چکی تھیں۔ جلد ہشتم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ "۱۹۲۵ء میں مولانا حمید الدین فراہی سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ تقریباً پانچ چھ سال جاری رہا۔" اس لحاظ سے تدبر قرآن مولانا اصلاحی کی پچپن سالہ کاوشوں کا نچوڑ ہے لیکن اس میں

ان کے استاد مولانا فراہی کے فکر کو بہت دخل ہے۔ خود اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "میری فکر میرے استاذ کی فکر سے کوئی الگ نہیں بلکہ استاذ مرحوم ہی کی فکر کی توضیح و تکمیل ہے۔ انکی فکر کے جس حصہ کا تعلق براہ راست قرآن مجید سے ہے' میں نے اس کتاب میں اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اگر کوئی پہلو مجھے اس میں تشنہ محسوس ہوا ہے تو اس کا خلاء بھی پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۲)

نظم قرآن مولانا اصلاحی کا خاص موضوع ہے اور تفسیر "تدبر قرآن" میں نظم قرآن پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی بیان کیا گیا ہے اور پورے قرآن کی سورتوں کے سات گروپ دیئے گئے ہیں اور اسے قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری پہلو کا نام دیا گیا ہے۔ ہر ایک گروپ ایک سے زیادہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

پھر قرآن مجید کے مجموعی نظام کا مخفی پہلو بیان کیا گیا ہے۔ ہر سورہ کا ایک خاص عمود' مرکزی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ پھر آیات کی تشریح میں عنوان بنا کر تشریح کی گئی ہے۔ لغوی بحثیں عمدہ طریقے پر کی گئی ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مفسر کو عربی زبان پر کتنا عبور حاصل تھا۔ اس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں: "الفاظ و اسباب کی تحقیق اور نحوی مشکلات میں بھی براہ راست اصل عربی زبان سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔ مجرد اھل تاویل کے اقوال پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح آیات کی تاویل و توجیہ میں بھی قرآن کی زبان' کلام کے نظام اور قرآن کے نظائر و شواہد کو پوری طرح اہمیت دی گئی ہے۔" (۳) اس تفسیر کی ایک خاص اور منفرد چیز اس کا عقلی استدلال ہے۔ دوسری تفسیروں کے حوالے اس میں بہت کم ہیں۔ مولانا خود لکھتے ہیں: "قرآن کی منطق اور اس کی حکمت کی بنیادیں بھی اس میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس کا عقلی استدلال اور اس کی حجت دلنشین انداز میں سامنے آئے اور متکلمین کے فرسودہ انداز استدلال اور قرآن کے فطری طرز استدلال میں جو فرق ہے وہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔" (۴) سنت و حدیث کو ثانوی ماخذ کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ ان کو تفسیر کے داخلی وسائل میں شامل نہیں کیا گیا۔ یا دوسرے الفاظ میں اس کی جو اہمیت ہے وہ اسے نہیں دی گئی۔ آثار صحابہ و اقوال تابعین پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ قدیم آسمانی صحیفوں کے حوالے کافی دیئے گئے ہیں بلکہ کئی جگہوں پر تو احادیث بھی حوالے کے طور نقل کی جا سکتی تھیں لیکن اس جگہ قدیم آسمانی صحیفوں کے مثلاً" تورات' زبور' انجیل کے حوالے ملتے ہیں۔ اکثر معاملات میں مولانا دوسرے مفسرین سے اختلاف کرتے ہیں اور ان سے الگ نظریہ بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیر کا انداز داعیانہ ہے اور انہوں نے دعوت دین کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کی کوشش کی ہے اور اس معاملہ میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ عنوانات کی فہرست ہر جلد کے آخر میں ترتیب کے ساتھ دی گئی ہے جو اس تفسیر کی خوبیوں میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔

تدبر قرآن کی خصوصیات

علمی خصوصیات

تدبر قرآن علمی خصوصیات کی حامل تفسیر ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اور انفرادیت عقلی استدلال ہے۔

ا۔ عقلی استدلال

تفسیر میں عقلی استدلال سے بہت کام لیا گیا ہے اور بات کو پر زور طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عقلی استدلال کے لئے مدلل طریقہ اختیار کیا گیا ہے مثلاً" مولانا نے تدبر قرآن میں روزے کا اثر انسان کی صلاحیت کار پر' کے عنوان سے بھرپور عقلی استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "اس زمانے میں جو لوگ مغرب کے مادہ پرستانہ فلسفہ زندگی سے متاثر ہیں وہ روزے کے خلاف یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اس سے انسان کی صلاحیت کار اور اس کی قوت کارکردگی بہت کم ہو جاتی ہے جس سے فرد اور معاشرہ دونوں کو نقصان پہنچتا ہے ہمارے نزدیک یہ اعتراض کرنے والے دو بنیادی حقیقتیں نظرانداز کر دیتے ہیں ایک تو یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں انسان کی قدر و قیمت نہیں ان کے نزدیک جس طرح ایک فربہ بیل زیادہ ہل چلا سکتا ہے اس طرح ایک آسودہ اور پیٹ بھرا آدمی زیادہ کام کرسکتا ہے۔ یہ لوگ سیدنا مسیح کی ان کلمات سے ناآشنا ہیں کہ آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ اس حقیقت سے بالکل بے بہرہ ہیں جس کی طرف ہمارے نبی کریمؐ نے اشارہ فرمایا۔"انی بیت لی مطعم یطعمنی وساق لیسقینی" یہ کہ ایک کھلانے والا مجھ کو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھ کو پلاتا ہے۔ انسان اگر صرف گوشت پوست کا مجموعہ ہے تب تو بلاشبہ ان معترضین کے اعتراضات کے اندر کچھ وزن ہے لیکن اگر انسان کے اندر روح کوئی شے ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کی تازگی اور توانائی کے لیے بھی کوئی غذا اور تدبیر ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو کیا یہی مکھن دودھ جن سے ہمارے جسم کی پرورش ہوتی ہے اس کے لیے بھی کافی ہے یا اس کے لیے کسی اور تدبیر اور غذا کی ضرورت ہے مذہب اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ انسان کے اندر روح کا جوہر ارضی نہیں بلکہ آسمانی اور خدائی ہے اس وجہ سے اس کی غذا اس سرزمین سے نہیں بلکہ خدا کے تعلق اور توسل اور اس کے کلام و الہام سے ہوتی ہے اور اس کا تعلق خدا سے قریب تر اور قوی تر اس وقت ہوتا ہے جب روح جسم کے تقاضوں اس کی خواہشات اور اس کے جذبات و میلانات سے فی الجملہ آزاد ہوتی ہے۔ جب تک یہ انہی سفلی پابندیوں میں گرفتار رہتی ہے۔ اس وقت تک یہ ان بلندیوں میں پرواز نہیں کرسکتی جو اس کی فطرت کے لحاظ سے اس کی اصلی جولانگاہ ہیں اور جن میں پرواز کرنے سے اس کے وہ شاہینی کارنامے ظہور میں آتے ہیں جو اس کی فطرت میں ودیعت ہیں۔(۵)

اس طویل اقتباس سے ظاہر ہے کہ عقلی استدلال کس قدر مدلل انداز میں کیا گیا ہے۔ عام فہم سادہ انداز میں بات کی گئی ہے۔ عام آدمی بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اس بارے میں خود مولانا کا کہنا ہے۔ میرا مقصد ایک ایسی تفسیر لکھنا ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث و لگاؤ سے، ہر قسم کے تعصب و تحزب سے آزاد اور پاک ہو کر ہر آیت کا وہ مطلب سمجھوں اور سمجھاؤں جو فی الواقع اور اس آیت سے نکلتا ہے۔

ان کی اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے بیرونی لوث و لگاؤ اور تعصب سے پاک ہو کر تفسیر لکھی اور اس تفسیر کا دار و مدار عقل پر رکھا۔ خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں انہوں نے عقلی انداز میں استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں: قرآن نے عورت کے لیے کھیتی کے استعارہ میں ساری باتیں جمع کر دی ہیں اور اس استعارہ نے ان لوگوں کے نظریہ کی تو جڑ ہی کاٹ دی ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کی سکیمیں چلاتے ہیں۔ اس لیے کہ کھیتی سے متعلق یہ رہنمائی تو معقول قرار دی جاسکتی ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ اچھی پیداوار کس طرح حاصل کی جائے لیکن یہ بات بالکل غیر منطقی ہے کہ لوگوں کو اس بات کے سبق پڑھائے جائیں کہ وہ بیج تو زیادہ سے زیادہ ڈالیں مگر فصل کم سے کم حاصل کریں۔ اس قسم کی نامعقول منطق صرف نادانوں کو سوجھ سکتی ہے۔ "**وقدموا لانفسکم**" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمین کی کھیتی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے تم اپنے مستقبل کی معاش کا انتظام کرو۔ اسی طرح عورت کی کھیتی کی اصل غایت یہ ہے کہ اسے تم نسل انسانی کے مستقبل میں اپنی جگہ محفوظ اور اس کے قیام و بقا میں اپنا حصہ ادا کرسکو۔ "**فاتوا حرثکم انی شئتم**" کے بعد ان الفاظ کے اضافے نے یہ حقیقت نہایت واضح الفاظ میں سامنے رکھ دی کہ عورت سے مواصلت اصل غایت بقائے نسل ہے، لذت اس کا ضمنی فائدہ ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ طریقہ جو اس مقصد کو ضائع کرنے والا یا اس کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ اگر چہ لذت کے تقاضے اس سے پورے ہو جاتے ہیں۔ فاطر کی بنائی ہوئی فطرت اور اس کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے۔ (۶)

اس اقتباس سے مولانا نے لفظ کی لغوی تحقیق کرکے اس پر دلائل سے نتیجہ اخذ کیا۔

تفسیر کی بڑی خصوصیت تدبر ہے اور تدبر عقل و بصیرت کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ اوپر کی ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا نے واقعی تدبر کرکے عقلی استدلال کو پرزور اور بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس تفسیر کو عقلی انداز کی اچھی تفسیروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ لغوی تحقیق:

مولانا امین اصلاحی کی ایک اور تفسیری انفرادیت ان کا لغوی استدلال ہے اس لیے انہوں نے ترجمہ تفسیروں یا لغت کی کتابوں سے مدد نہیں لی ہے بلکہ بہت محنت سے عربی زبان کا ذوق پیدا کیا ہے

اور خود ان کے بقول کہ کسی زبان کا ذوق پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لیے فطری رجحان، طبیعت اور لطافت ذوق کے ساتھ ساتھ اس زبان کی مشق و ممارست ناگزیر ہے اور برسوں کی محنت کے بعد کہیں آدمی میں کسی زبان کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ یہ اپنی مادری زبان نہ ہو تو مشکل دو چند اور سہ چند ہوجاتی ہے۔ میں اس سلسلے میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے میں نے اس تفسیر کے لیے قلم اٹھانے سے پہلے ادب جاہلی کے تمام ذخیرے کو اچھی طرح پڑھ لیا ہے جو مجھے دستیاب ہو سکا ہے اور جو قرآن کی ادبی و لغوی مشکل حل کرنے میں کسی پہلو سے مددگار ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ سورت البقرہ کی پہلی آیات کی تفسیریوں کرتے ہیں۔ " الکتٰب " کا لفظ قرآن مجید میں پانچ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱) نوشتہ تقدیر: مثلاً

"لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ"

اگر نوشتہ الہی گزر نہ چکا ہوتا تو جس چیز میں تم مبتلا ہوئے اس کے باعث تمہیں دردناک عذاب آ پکڑتا۔ (۷)

۲) اللہ تعالیٰ کا وہ رجسٹر جس میں اللہ تعالیٰ کا ریکارڈ ہے۔ مثلاً"

"وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ"

اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو محفوظ کرنے والی ہے۔ (۸)

۳) خط اور پیغام: مثلاً" "اِنِّیٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتَابٌ کَرِیْمٌ" (۹)

۴) احکام و قوانین: مثلاً"

"وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ"

اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۱۰)

۵) مجموعہ اور اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام: مثلاً" فرمایا

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ"

ذرا دیکھو ان کو جن کو کتاب الہی کا ایک حصہ ملا ان کو دعوت دی جا رہی ہے اللہ کی کتاب کی طرف سے تاکہ اس کے درمیان فیصلہ کرے۔ (۱۱)

جس طرح کوئی لفظ اپنے مختلف معنی میں سے کسی ایک اعلیٰ و برتر معنی کے لیے خاص ہوتا ہے اسی طرح یہ کتاب کا لفظ خاص طور پر کتاب الہی کے لیے بولا جانے لگا۔ چنانچہ یہ استعمال قدیم زمانے سے معروف ہے۔ یہود انبیاء کے صحیفوں میں سے ہر صحیفہ کو "سفر" کہتے ہیں جس کے معنی کتاب کے

ہیں۔ (۱۲)

اس طرح ایک مثال لفظ "حبل" کی تشریح میں بھی مولانا نے بیان کی ہے۔ سورہ آل عمران میں "واعتصموا بحبل اللہ" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حبل کے معنی رسی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کرکے یہ لفظ تعلق اور ربط کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس لیے کہ رسی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک حماسی شاعر کا مشہور شعر ہے:

و لکنی و فصلت الحبل منه

مواصلة بحبل ابی بیان

(لیکن میں نے اس سے پہلے اپنا تعلق توڑ رکھا ہے ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر) پھر یہ لفظ مزید ترقی کرکے معاہدہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس لئے کہ جس طرح رسی دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاہدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاہدہ کے مفہوم میں یہ لفظ جو قرآن میں استعمال ہوا ہے۔

الا بحبل من اللّٰہ حبل من الناس

مگر اللہ اور لوگوں کے کسی معاہدے کے تحت

زیر بحث آیت میں حبل سے مراد قرآن ہے۔ اس لئے کہ یہی ہمارے درمیان ایک عہد و میثاق ہے خدا کو مضبوطی سے پکڑنا ظاہر ہے کہ اپنے ظاہری مفہوم میں نہیں ہے اس لئے خدا چھونے اور پکڑنے کی چیز نہیں اس کو مضبوطی سے پکڑیں جو ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہے گویا اوپر والی آیت میں **و من یعتصم باللّٰہ** کے الفاظ آئے تھے۔ **واعتصموا بحبل اللّٰہ** سے اس کی وضاحت فرما دی۔

سلف میں قتادہؒ، سدیؒ، عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ کی رائے یہی ہے ابن جریر نے ابو سعید خدری کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ

کتاب اللّٰہ ھو حبل اللّٰہ الممدود من السماء الی الارض

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تنی ہوئی ہے۔

گویا یہی چیز ہے جو بندوں کو خدا سے جوڑتی ہے جس نے اس کو تھام لیا گویا خدا کو تھام لیا۔ سلف میں سے جو لوگ حبل اللّٰہ کی تعبیر "عہد اللہ" کرتے ہیں وہ بھی در حقیقت حبل اللہ سے قرآن ہی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے اور رب کے درمیان معاہدہ کی حیثیت قرآن ہی کو حاصل ہے۔ قرآن اور دوسرے آسمانی صحیفوں کو میثاق اور عہد سے اسی بنا پر تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱۳)

یہاں بھی مولانا نے لغوی تحقیق کی بنا پر سلف سے اختلاف کیا ہے اور حبل اللہ سے مراد عہد اللہ

کی بجائے قرآن ہی کو لیا ہے اور لغوی تحقیق کی بنا پر ایک منفرد تفسیر ہے۔ بجائے اس کے کہ مولانا سلف کے نقطہ نگاہ کو بیان کرتے ہوئے اپنی رائے کو پیش کریں۔ وہ لغوی تحقیق کے ذریعے الفاظ کی تراکیب کو بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات کئی موقعوں پر وہ موضوع سے ہٹ کر گہرائی میں چلے جاتے ہیں اور محض لغوی تحقیق کی بنا پر وہ اپنا ایک الگ نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

علمی خصوصیات کے لحاظ سے یہ ایک منفرد تفسیر ہے۔ لیکن اگر صرف علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو چونکہ یہ کوئی عام کتاب نہیں بلکہ قرآن پاک کی تفسیر ہے اس لئے اس معاملے میں محض عقلی استدلال یا لغوی تحقیق کی بنا پر سلف سے بالکل ایک الگ نظریہ پیش کرنا ٹھیک نہیں۔ عقلی استدلال اس حد تک تو قابل تحسین ہے جہاں قرآن و حدیث کے حکم کے متعارض نہ ہو لیکن جہاں تعارض واضح ہو وہاں عقلی استدلال سے کام لینا جائز نہیں ہے۔

ادبی خصوصیات

ا۔ زور بیان

تفسیر تدبر قرآن میں ادبی خصوصیات کے ضمن میں ایک چیز جو بہت نمایاں نظر آتی ہے' وہ تفسیر کا زور بیان ہے۔ مولانا نے بھرپور انداز میں جس بات کو بھی بیان کیا ہے' پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مربوط انداز بیان ' عقلی استدلال' عام فہم انداز بیان ایسی باتیں ہیں کہ قاری مسحور ہو جاتا ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو' سورہ بقرہ' ۱۴۸ میں "قبلہ" کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "قبلہ" کے متعلق یہ بات کہ وہ فلاح و سعادت کے حصول کے لئے ایک انسان اور علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ محض کوئی استعارہ نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے اس عظیم تاریخ کو حافظہ میں از سر نو تازہ کیجئے جو اس گھر کے ایک ایک پتھر پر نقش ہے۔ جس کو قبلہ قرار دیا گیا' یہ گھر وہ گھر ہے جس کی تعمیر ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے کی' یہ وہ گھر ہے جو اس دنیا کے بت کدے میں خدائے واحد کی عبادت کا اولین مرکز ہے' اسی گھر کے پہلو میں مروہ پہاڑی ہے جس کے دامن میں چشم فلک نے رضائے الٰہی کے لئے بوڑھے باپ کو محبوب اور اکلوتے فرزند کی گردن پر چھری چلاتے اور اسلام کی حقیقت کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔ یہی گھر ہے جس کے ارد گرد چٹیل میدانوں کو قدرت نے اس امت مسلمہ کے لئے منتخب فرمایا۔ جس کے ذریعے دنیا کی تمام قوموں میں خدا کی رحمت تقسیم ہونے والی تھی۔ یہی گھر ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر برابر تمام قدسیوں کا غلبہ رہا ہے اور جس میں طواف و اعتکاف اور رکوع و سجود کی سعادت اتنے انسانوں نے حاصل کی ہے کہ جس طرح زمین کے ذروں اور آسمانوں کے ستاروں کا شمار نا ممکن ہے اسی طرح ان نفوس قدسیہ کا شمار بھی ناممکن ہے۔ اسی کے قرب میں وہ

میدان ہے جس کی ریت کا ایک ایک ذرہ توبہ استغفار کے سجدوں کا گواہ اور خوف خدا سے رونے والوں کے آنسوؤں کا امین ہے۔ اسی گھر کے ایک کونے میں وہ مقدس پتھر ہے جس کو خدا کے داہنے ہاتھ سے تشبیہہ دی گئی ہے اور جس کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیکر لاکھوں آدمی بلکہ کڑوروں انبیاء صلحاء صدیقین نے اپنے رب سے عہد بندگی و وفاداری استوار کیا ہے۔ اسی کے پاس وہ جمرات ہیں جو اس گھر کے دشمنوں کی ذلت و پامالی کی یادگاریں ہیں اور جن پر سنگ باری کر کے اہل ایمان اپنے اندر برابر اعدائے دین کے خلاف جہاد کی روح تازہ کرتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی گھر کے سایہ میں خدا کے آخری نبی محمد ﷺ نے پرورش پائی۔ جن کے لائے ہوئے نور اور جن کی بخشی ہوئی ضیاء نے تمام دنیا میں اجالا کر دیا۔

ایک ایسی عظیم روایات کے امین گھر کو قبلہ بنانے کے معانی یقیناً" یہ ہیں کہ اس کو ایک نشان قرار دیکر ان روحانی خزانوں کے حصول کے لئے جدوجہد کی جائے جو ابراہیمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک اس گھر کو ودیعت ہوئے یا دوسرے لفظوں میں اس کو ایک "پاور ہاؤس" سمجھ لیں۔ جس سے پوری زندگی حرارت' روشنی اور قوت حاصل کرتی ہے جن لوگوں پر قبلہ کی عظمت و اہمیت کا یہ پہلو واضح نہیں ہے۔ وہ اکثر اس امر میں حیران ہوتے ہیں کہ اینٹ اور پتھر کے بنے ہوئے اس مکان میں کیا ہے؟ انہیں معلوم نہیں کہ قبلہ مرکز ہے' قلب ہے۔ جس طرح قلب کے بغیر جسم کا وجود نہیں۔ اسی طرح قبلہ کے بغیر ملت کا کوئی تصور نہیں۔ (۱۴)

اوپر کے پیراگراف سے تدبر قرآن کی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے' بات کو خوبصورتی کیساتھ مدلل انداز میں سمجھایا جاتا ہے' ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے مربوط انداز پایا جاتا ہے اور فضول بحثیں بھی نہیں پائی جاتیں۔

تشبیہ و استعارہ

کسی بات میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے تشبیہہ و استعارہ بالکل ایسی ہی اہمیت کا حامل ہے جیسے سالن میں نمک' اس کے بغیر سالن بد مزہ اور پھیکا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کلام میں خوبصورتی کے لئے ضروری ہے کہ تشبیہہ و استعارہ کا استعمال کیا جائے۔ تدبر قرآن میں یہ خوبی موجود ہے کہ جہاں جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ وہاں اس کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو۔

سورہ اعراف ۱۴۳ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ "اس مقام سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جن جوگیوں اور صوفیوں نے مشاہدہ ذات الٰہی کو معرفت کا درجہ کمال قرار دیا ہے اور اس کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ انہوں نے اپنا گول اپنی رسائی کی حدود سے بہت آگے بڑھ کر باندھا ہے اور اس کا حاصل خیرگی اور تحیر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ مگس شہباز کے شکار کو نکلے (۱۵)

مولانا اصلاحی نے تدبر قرآن میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ وہ عام فہم ہیں اور ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور ان میں ادب کی چاشنی بھی موجود ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے تدبر قرآن ایک ادبی شاہکار ہے۔

مثال کے طور پر' سورہ بقرہ ۱۸۶ کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ "اس آیت پر اگر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ اس میں شروع سے لے کر آخر تک اس کائنات کے متقابل بلکہ متضاد اجزاء و عناصر کا حوالہ دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے اس حیرت انگیز اتحاد و توافق اور ان کی اس بے مثال ہم آہنگی و ساز گاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انکے اندر اس کائنات کی مجموعی خدمت کے لئے پائی جاتی ہیں۔ آسمان کے ساتھ زمین' رات کے ساتھ دن' کشتی کے ساتھ دریا' بظاہر دیکھئے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ضدین کی نسبت رکھتے ہیں تو دوسری طرف اس کائنات کی خانہ آبادی کے نقطہ نگاہ سے آپس میں زوجین کا سا ربط و اتصال رکھتے ہیں۔ یہ آسمان اور اس کے چمکتے ہوئے سورج اور چاند نہ ہوں تو ہماری زمین کی ساری رونقیں اور بہاریں ختم ہو جائیں بلکہ اس کی ہستی ہی نابود ہو جائے۔ اسی طرح یہ زمین نہ ہو تو کون بتا سکتا ہے کہ اس فضائے لا متناہی کے بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے کس کس کا گھر اجڑ کے رہ جائے۔ **علی ھذا القیاس** ہماری اور ہماری طرح اس دنیا کے تمام جانداروں کی زندگی جس طرح دن کی حرارت' تمازت روشنی اور نشاط انگیزی کی محتاج ہے اور یہ دونوں ملکر اس گھر کو آباد کئے ہوئے ہیں اسی طرح سمندر کو دیکھئے کہ اس کا پھیلاؤ کتنا ہو شربا اور نا پید کنار ہے اور اس کی موجیں کتنی مہیب اور ہولناک ہیں لیکن دیکھیے اس سرکشی و طغیانی کے باوجود کس طرح اس کے عین اپنے سر پر سے ہماری کشتیاں اور ہمارے جہاز دن رات دوڑ رہے ہیں اور تجارت و معیشت' تمدن و معاشرت اور علوم و فنون ہر چیز میں مشرق اور مغرب کے ڈانڈے ملائے ہوئے ہیں۔

(۱۶)

شعری وسائل

انداز بیان کو خوبصورت بنانے کے لئے شعری وسائل سے بھی مدد لی گئی ہے جو اس تفسیر کی ادبی خصوصیت میں سے ہے۔ اگرچہ اس کا جا بجا استعمال نہیں کیا گیا تاہم بہت سے جگہوں پر شعروں کا استعمال کیا گیا ہے ان میں فارسی و اردو دونوں طرح کے شعر شامل ہیں۔ مثلاً" سورہ انعام ۷۶ سے ۷۹ تک کی تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "...سورج' چاند' ستارے ان سب کے متعلق توجہ دلائی کہ ان کا چمکنا ہی کیوں دیکھتے ہو ڈوب جانا کیوں نہیں دیکھتے۔ طلوع کے ساتھ غروب اور آنے کے بعد جانے کو کیوں نہیں دیکھتے اور اس پابندی اور محکومی کے ساتھ مجال نہیں ہے کہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی وقت یا سمت میں ماہیت اور شکل میں سرمو تغیر ہو جائے تو گویا وہ خود زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ ہم

آئے نہیں لائے گئے ہیں اور جاتے نہیں بلکہ لے جائے جاتے ہیں۔

لائی حیات' آئے قضا لے چلی' چلے
اپنی خوشی سے آئے' نہ اپنی خوشی چلے (۱۷)

امتیازی خصوصیات

نظم قرآن

تدبر قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دوسری تفاسیر سے ممتاز کرتی ہے وہ نظم قرآن ہے۔ تفسیر میں نظم قرآن کے موضوع کو شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر کا خلاصہ پڑھتے ہی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں نظم قرآن کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ نظم قرآن کو تفسیر کے بنیادی وسائل میں رکھا گیا ہے۔ اگرچہ اس طرز پر تفسیر لکھنے کا آغاز مولانا اصلاحی کے استاذ مولانا حمید الدین فراہی نے کیا تھا مگر وہ اپنی زندگی میں صرف چند سورتوں کی تفسیر ہی کر پائے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد اس کام کو مولانا اصلاحی نے سرانجام دیا ہے۔

تدبر قرآن کے مقدمہ میں مولانا لکھتے ہیں۔ "اصل ضرورت اس بات کی تھی کہ لوگوں کے سامنے کوئی ایسی چیز آتی جو قرآن کے نظم کو اس طرح سے واضح کر دیتی کہ ہر صاف ذہن قاری کو اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی لیکن اس طرح کی کوئی چیز نہ صرف یہ کہ لوگوں کے سامنے نہیں آئی بلکہ جو چیزیں آئیں مایوس کن ثابت ہوئیں۔ (۱۸)

مولانا نے قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی بیان کیا ہے۔ پھر قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی جو مولانا نے مقدمہ میں بیان کیا ہے' ہر سورت ایک مستقل وحدت ہے۔ اس کا ایک علیحدہ عنوان و موضوع ہے۔ ہر سورہ کے تمام اجزائے کلام اس عنوان و موضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ قرآن میں بحیثیت مجموعی بھی ایک خاص نظام ہے جس کا ایک پہلو تو بالکل ظاہر ہے جو ہر شخص جانتا ہے لیکن ایک پہلو مخفی بھی ہے جو صرف تدبر سے ہی سامنے آتا ہے۔

قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو

مکی و مدنی سورتوں کے سات گروپ دیئے گئے ہیں ہر گروپ ایک یا ایک سے ذائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے۔ ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ سورتوں کی یہ ترتیب توقیفی ہے۔

قرآن کے مجموعی نظام کا مخفی پہلو

جس طرح ہر سورہ کا ایک خاص عمود ہے اسی طرح ہر گروپ کا بھی ایک جامع عمود ہے۔ ہر

گروپ کی مدنی سورتوں کو اپنے گروپ کی مکی سورتوں سے وہی مناسبت ہے جو مناسبت کسی درخت کو جڑ اور اس کی شاخوں میں ہوتی ہے۔ ہر سورہ اپنا ایک جوڑا اور مثنیٰ رکھتی ہے۔ صرف سورہ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ہر گروپ پر تدبر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہرایک کے اندر اسلامی دعوت کے تمام ادوار ابتداء سے انتہا تک نمایاں ہوئے ہیں۔ قرآن پاک کی سورتوں کے سات گروپ کر دینے کے لئے دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۹)

داعیانہ انداز

تدبر قرآن کا انداز داعیانہ ہے۔ یہ پڑھنے والوں کو دعوت دین دیتی ہے اور دوسروں کو بھی تدبر کی دعوت دیتی ہے کہ وہ بھی غور و فکر سے کام لیں۔ مولانا اصلاحی نے اپنی کتاب "مبادی تدبر قرآن" اور تفسیر کے مقدمہ میں تدبر کے اصول بیان کئے ہیں اور عام لوگوں کو بھی تدبر کی دعوت دی ہے۔ قرآن پڑھنے والوں کو مندرجہ ذیل ہدایات دی ہیں

۱۔ قرآن کو ایک برتر کلام مانا جائے۔ ۲۔ قرآن کے تقاضوں کے مطابق خود بدلنے کا عزم ہو۔
۳۔ تدبر تیسری شرط ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کی دعا مانگنی چاہیے۔

مولانا داعیانہ تفسیر میں داعیانہ انداز اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "یہ حضرت نوحؑ کی دعوت کا نقطہ آغاز ہے ... بعینہٖ اسی نقطہ سے نبی ﷺ نے بھی اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ آگے بڑھیے تو معلوم ہو گا کہ جس قسم کا معارضہ قوم نوحؑ نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کیا۔ اسی قسم کا معارضہ نبی ﷺ کی قوم نے آپؐ کے ساتھ کیا۔ حالات و واقعات کی یہ مطابقت ہی ہے کہ جس کو دکھانے کے لئے یہ سرگزشتیں سنائی جا رہی ہیں کہ نبیؐ اور اس کی قوم دونوں کے سامنے ماضی کے آئینے میں ان کے حاضر اور مستقبل کا پورا نقشہ آ جائے۔ تاریخ کی جو قدر و قیمت ہے وہ اسی پہلو سے ہے کہ اگر یہ پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو تاریخ کی حیثیت مجرد داستان سرائی کی سی رہ جاتی ہے۔ (۲۰)

حوالہ جات

۱۔ الحجر' ۸۷ ۲۔ تدبر' ۷ ۳۔ تدبر' ۸ ر ۸
۴۔ تدبر' ۸ ر ۱۰ ۵۔ تدبر ۱ ر ۴۱۶ ۶۔ تدبر' ۱ ر ۸۶
۷۔ انفال' ۶۸ ۸۔ ق' ۴ ۹۔ النمل ۲۹
۱۰۔ الجمعہ ۲۰ ۱۱۔ آل عمران ۲۲ ۱۲۔ ۱ ر ۴۲
۱۳۔ تدبر' ۱ ر ۷۵۵ ۱۴۔ تدبر ۱ ر ۳۲۹' ۳۳۰ ۱۵۔ تدبر' ۱ ر ۷۳۸
۱۶۔ تدبر قرآن ۱ ر ۱۸۴ ۱۷۔ تدبر قرآن' ۲ ر ۷۳۷ ۱۸۔ تدبر قرآن' مقدمہ
۱۹۔ الحجر' ۸۷ ۲۰۔ تدبر قرآن ۳ ر ۳۸۴